رومي، سعدي اور حافظ کے کلام میں صلح ودوستی

(Peace and friendship in the Poems of Rumi, Saadi and Hafiz)

•ڈاکٹر علی بیات، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو تہران یونی ورسٹی ایران
•ڈاکٹر انیلا سلیم، اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان وادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی

Abstract:

In Maulana Rumi's Masnavi Manawi and Dewan Shams, where the levels of love and the places of mysticism are taught, in every poem and every story there is an expression of teaching and admonishing peace, friendship, mutual respect and good behavior among humans. Sheikh Saadi traveled all over the world and collected the lessons of love, peace, friendship, ethics, reconciliation and brotherhood from every city, country and region, and made Gulistan by gathering a great harvest of knowledge and invited polite people to visit Boostan .in Gulestan or Boostan, in both of them, they are seen in the condemnation of every evil and the praise and glorification of every good. Hafiz Shirazi's charming poetic is a rich collection of peace and friendship with each other. He himself is against color and hypocrisy and invites his addressees to be monotonous and sincere.

Key words: Peace, friendship, Maulana Jalaluddin Rumi, Sheikh Saadi, Hafiz Shirazi

ملخص:

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی اور دیوان شمس میں جہاں عشق کے مراتب و عرفانی مقامات کی سیر کی تعلیم ملتی ہے، وہاں ہر شعر اور ہر حکایت میں انسانوں میں صلح ودوستی اور باہمی احترام اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم و تلقین کی نمود نظر آتی ہے۔ شیخ سعدی نے اقصائے عالم کا سفر کیا اور ہر شہر و ملک وخطّے سے محبت، صلح، دوستی، اخلاق، میل ملاپ اور بھائی چارے کے اسباق جمع کرکے، ادب و معرفت کا عظیم خرمن اکٹھا کرکے گلستان بنادیا اور مؤدب لوگوں کو بوستان کی سیر کی دعوت دی۔ گلستان ہو یا بوستان، دونوں میں ہر برائی کی نکوہش اور ہر نیکی کی تعریف و تمجید میں وہ رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ حافظ شیرازی کا دلنشین کلام، صلح اور ایک دوسرے کے ساتھ دوستی ومروت ومُدارا کا بھرپور ذخیرہ ہے۔ وہ خود رنگ وریا کے مخالف ہیں اور اپنے مخاطب کو بھی یکرنگی وخلوص کی دعوت دیتے ہیں۔ اس مضمون میں ان سربرآوردہ شعرا کے کلام سے کچھ نمونے پیش کئے جائیں گے۔

کلیدی الفاظ: صلح، دوستی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی

- ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران
- ، اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان وادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی

پیشگفتار:

ایرانی تہذیب وتمدن کی قدامت اور اس تہذیب وتمدن پر اسلامی دور کے ناقابل تردید اور گہرے اثرات کے پیش نظر، اس خطے میں پرانے زمانے سے لے کر عصر حاضر تک ایک ثروتمند ادب وجود میں آیا ہے جس میں تمام معاشرتی اقدار کی پاسداری اور اقوام و مذاہب کے لوگوں سے احترام و عزت سے پیش آنے کا رجحان موجود رہا ہے۔ مولانا رومی تک پہنچتے پہنچتے فارسی شاعری کے کئی دور گزر گئے تھے اور اخلاق اب ادب کا مخصوص موضوع و مضمون رہا تھا۔ بہت سے شاعروں اور ادیبوں نے دیگر مضامین سمیت، معاشرے میں صلح و دوستی کی اہمیت کے بارے میں انمٹ کارنامے چھوڑے تھے۔ رومی نے اپنی شخصیت، تعالیم اور قابلیت کی بناپر، مثنوی معنوی اور دیوان شمس اور دیگر کتابوں میں مختلف حکایات اور تمثیلوں کے پردے میں اپنے مخاطبوں اور شاگردوں اور بعد کے زمانے میں تمام ابنائے بشر میں دوستی و صلح وصفامیں زندگی کرنے کی تعلیم دی۔

شیخ سعدی کی زندگی کاماحول رومی کے ماحول سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ مغلوں اور دیگر حکمرانوں اور ظالموں کے وحشیانہ برتاؤاور سلوک کی تاثیر سے عوام میں بقاء کی امید کم ہوگئی تھی۔ شیخ کو بخوبی اس بات کا اندازہ ہوا تھا، اس لیے انہوں نے حکیمانہ انداز اور دلنشین پیرایہ بیان میں گلستان و بوستان کی حکایات کی شکل میں، وعظ و نصیحت کی تلخی کو قابل برداشت بناکر، شیراز اور ایران کے دیگر شہروں کے لوگوں کو صلح ودوستی اور باہمی احترام کا سبق دیا۔

حافظ شیرازی کی غزلیات میں عشق و محبت کی باتیں عرفانی اور مجازی دونوں سطحوں میں مشہود ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلیات کے بہت سے اشعار میں صفاو دوستی اور مدارا و مروت کی تعلیم دی۔ معاشرے میں منافقت اور دوروئی سے تنگ آکر، ان اوصاف سے متصف لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے، رند و مست وقلندر جیسے کرداروں کو شیخ وزاہد و محتسب وغیرہ پر ترجیح دی۔ اس طرح فارسی ادب میں ہمدلی اور دوستی کے بہترین راستے دکھائے۔ ان تینوں سربرآوردہ شعراء کے بارے میں آخری بات یہ ہوسکتی ہے کہ ان کی تعلیمات چونکہ اسلام کی جاوید کتاب قرآن مجید کی آسمانی آیات سے متاثرہیں، اس لیے رہتی دنیاتک اسی طرح مؤثراور معنی خیز رہیں گی۔ اس مضمون میں ان کے کلام میں امن، صلح، دوستی اور محبت کے مضامین کا ایک مختصر مطالعہ کیاجائے گا۔

مثنوی معنوی اور دیوان شمس میں صلح ودوستی کا ذکر

مولانا جلال الدین محمد بلخی، ۶۰۴ق کو بلخ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۲ق کو ترکی کے ایک شہر، قونیہ میں عالم جسم سے رہا ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اگر اس دور کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی وثقافتی اوضاع کا مختصر جائزہ لیاجائے تو دیکھا جاتا ہے کہ مغولوں کے بہیمانہ حملوں کی وجہ سے ایران اور عراق میں کثیر تعداد میں لوگ مارے گئے اور بہت سے شہر مسمار کردیئے گئے۔ مولانارومی بھی انہی وحشیانہ سلوک کے گواہ تھے۔ ان کا معنوی پیر و مراد، شمس تبریزی بھی اسی فتنے کا نذر ہوگیا۔ ان حالات میں ان کا عارفانہ سلوک اور انسان دوستی بر مبنی صلح پسند برتاؤ قابل دید ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان اور غیر مسلمان، انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں۔ وہ سب کے برابر احترام کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی بیش بہا کارنامہ یعنی مثنوی معنوی، جس کو علامہ اقبال نے پہلوی (فارسی) زبان میں قرآن کا نام دیا، کا

جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس مثنوی ہفتاد من کے مطالب آج اسی طرح کارآمد ہیں، جس طرح آٹھویں صدی ہجری میں تھے۔

"رومی انسانی کرامت و شرافت کی نشاندہی میں مناسب قرآنی آیات واحادیث کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، کائنات میں انسانی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آدم کا مسجودی مقام جس کی قابلیت اس کے تمام ابناء کے لیے مہیا ہے، اسماء الٰہی اور اس کی تعلیم کی وجہ سے حاصل شدہ معرفت کے اعتبار سے ہے۔"(۱)ان کے نزدیک خود شناسی کا فقدان، انسانوں میں جنگ، جبر اور جہالت کا باعث ہے۔علم ودانش کے بحر ذخار سے آشنائی کے باوجود، اپنی شناخت سے محروم ہے:

صدہزاران فصل داند از علوم — جان خودرا می نداند آن ظلوم
داند او خاصیت ہر جوہری — در بیان جوہر خود چون خری
قیمت ہر کالہ می دانی کہ چیست — قیمت خود را می ندانی ابلہی است
جان جملہ علم ہا اینست این — کہ بدانی من کیم در یوم دین
آن اصول دین بدانستی تو لیک — بنگر اندر اصل خود گر ہست نیک
از اصولینت اصول خویش بہ کہ — بدانی اصل خود ای مرد مِہ (۲)

راست بازی، صداقت، احترام اور تشدد سے پرہیز، بھائی چارہ اور برابر کے حقوق،چند ایسی باتیں ہیں جن پر صلح و آشتی اور دوستی کی اساس استوار ہے۔اس منظر سے اگر مثنوی معنوی کی حکایات اور کہانیوں کا جائزہ لیں تو ہر مقام پر مذکورہ امور کی پاسداری اور پرچار نظر آتا ہے۔رومی نے آج سے سات سو سال پہلے اپنے عصر کے لوگوں کو محبت کے سبق دیئے۔خوش قسمتی سے یہ سبق آج ہمارا ثقافتی اور تعلیمی ورثے کا اہم حصہ ہے۔وہ اپنی بعض حکایات میں تمثیل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور بعض میں رسول اللہ (ص) کے اسوۂ حسنہ سے مثالیں پیش کرکے، قاریوں کو راہ صواب کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔مثال کے طور پر دفتر دوم میں ایک حکایت جس کا عنوان "برخاستن مخالفت و عداوت از میان انصار بہ برکاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، عرب کے دو بڑے قبیلے، یعنی اوس و خزرج کے درمیان عداوت کے خاتمے کی طرف اشارہ کرکے، انگور اور غورے کی مثال کے ذریعے اتحاد ویکدلی پر زور دیتے ہیں اور حکایت اسی طرح آگے بڑھ جاتی ہے۔

دو قبیلہ کاوس و خزرج نام داشت — یک ز دیگر جان خون آشام داشت
کینہ ہای کہنہ شان از مصطفی — محو شد در نور اسلام و صفا(۳)

مولانا رومی کے ہاں عشق ومحبت اور دوستی کی بڑی اہمیت ہے۔سیدھی زبان میں مخاطب کو محبت سے پیش آنے کا حکم دیتے ہیں۔محبت اور دوستی سے تمام کڑوی چیزیں میٹھی بن جاتی ہیں اور محبت جو کیمیا کی طرح ہے، تانبے کو سونے میں تبدیل کرتی ہے۔محبت سے دُردی خالص شراب بن جاتی ہے اور دَرد خود شفا ہو جاتا ہے۔محبت سے اموات زندہ ہوتی ہیں اور محبت کرنے سے شاہ محبت کرنے والے کا بندہ ہو جاتا ہے:

از محبت تلخ ہا شیرین شود — از محبت مسّ ہا زرّین شود
از محبت دُردہا صافی شود — از محبت دَردہا شافی شود
از محبت مردہ زندہ می کنند — از محبت شاہ بندہ می کنند
این محبت ہم نتیجۂ دانشست — کی گزافہ بر چنین تختی نشست(۴)

آخری شعر اور قابل غور ہے کہ محبت اور مہربانی دانشمند لوگون کا وطیرہ ہوتا ہے۔ دوسری عبارت میں مہربان لوگوں کی دانشمندی کی علامت، ان کے دلوں میں دوسرے انسانوں کی محبت ہے۔ محبت ایسی تخت ہے جس پر صرف دانشمند لوگ بیٹھ سکتے ہیں اور ناجنس اس پر بیٹھ نہیں سکتے۔ دنیا میں لوگوں کے درمیان چاہے قومی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر، دو ہمسایوں کے درمیان ہو یا دو بھائیوں کے درمیان، اختلافات اور دشمنی کی سب سے بڑی وجہ دوستی کے جذبے کا فقدان ہے۔ مثنوی معنوی ہی نہیں، رومی اپنی غزلوں میں بھی، بیشتر مقامات میں دوستی و محبت کا سبق سکھلاتے ہیں۔

بیاتا قدر یکدیگر بدانیم　　　که تا نا گه زیکدیگر نمانیم

اے میرا دوست آؤ تا کہ ایک دوسرے کی قدر جان لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں (ہم میں سے کوئی مر جائے)

کریمان جان فدای دوست کردند　　　سگی بگذار ما ہم مردمانیم

کریم اور مہرباں لوگ اپنے دوست پہ جان قربان کر دیتے ہیں۔ کتوں کی طرح کا سلوک چھوڑو اور انسانوں کی طرح رہنا اپناؤ۔

گہی خوش دل شوی از من که مردم　　　چرا مرده پرست و خصم جانیم

اے دوست تم مجھ سے اس وقت راضی ہو گے جب میں مر جاؤں گا۔ ہم کیوں مُردے پسند واقع ہوئے ہیں؟ اور کیوں زندہ لوگوں کے دشمن ہیں؟

چو بعد مرگ خواہی آشتی کرد　　　ہمه عمر از غمت در امتحانیم

جب میری موت کے بعد، صلح کرنے کا ارادہ ہے، لو ہم تمام عمر تیرے غم سے امتحان کے شکار ہیں۔

کنون پندار مردم آشتی کن　　　که در تسلیم ما چون مردگانیم

اب یہ سمجھو کہ میں مر گیا ہوں۔ اب صلح کر لو! کہ ہمارا سر دوست کے سامنے مُردوں کی طرح خم ہے

چو بر گورم بخواہی بوسه دادن　　　رخم را بوسه ده کاکنون ہمانیم (۵)

اگر میری قبر پر بوسہ دینا ہے، اب جب میں زندہ ہوں، میرے رخ پر بوسہ لگاؤ۔

رومی کے خیال میں مرد عاقل وروحانی کی عقل، اسے کج روی سے رُکتی ہے اور جب انسانی طبع، دشمنی کا آغاز کرنا چاہتی ہے، عقل اس نفس پر لوہے کی زنجیر بن جاتی ہے۔ ایک محتسب کی طرح نیک و بد میں انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ شیخ بہائی نے مثنوی نان و پنیر میں کہا ہے:

عقل ایمانی چو شحنه عادلست　　　پاسبان و حاکم شہر دلست (٦)

انسان دوستی رومی کی شخصیت کا جزو بھی ہے اور ان کی اسلامی تعلیمات کی تاثیر بھی ہے۔ ان کی شاعری میں یہ عنصر بہترین شکل میں پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک اخلاق و تربیت کے بارے میں ڈاکٹر زرین کوب کا قول فصل الخطاب کا درجہ رکھتا ہے: " اخلاق و تربیت میں بھی ان کے بڑے بدیع نکات ہیں۔ جان کو تمام خوشیوں کا چشمہ جانتے ہیں اور روحانی لذات کو جو فناپذیر نہیں ہیں، جسمانی لذات پر جن کو دوام و بقا حاصل نہیں، ترجیح دیتے ہیں۔ طریقت میں ریا اور خود غرضی کو لوہے کی زنجیر و بند جانتے ہیں جو کمال کے راستے روح کی حرکت کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔۔۔ تاہم نیت کی صفائی اور اخلاص کو، علم و عمل دونوں میں، ضروری بتا کر، اس پر تاکید کرتے ہیں کہ انسان

کو اپنے اعمال میں خدا کے سوا کسی پر نظر نہیں رکھنا چاہیے اور مزید اصرار کرتے ہیں کہ جب تک نظر ہویٰ و شہوت کے گرد سے صاف نہیں ہو گی، حقیقت تک جو روشنی کا سرچشمہ ہے، دسترس حاصل نہیں کرے گی۔" (۷)

شیخ سعدی کے کلام میں صلح و دوستی:

ساتویں صدی ہجری میں ۱۲۵۶ء-۱۲۱۹ء کے درمیان، مغلوں نے ایران پر کئی حملے کئے۔ ان حملوں سے ایران کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات بری طرح بگڑ گئے۔ یہ سب مولانا رومی اور شیخ سعدی کے نوجوانی عہد میں ہوئے۔ ان دونوں بزرگوں نے ان حالات سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے اپنے طور پر مختلف رویے اپنائے۔ مگر ایک بات مشترک رہی۔ وہ بھی یہ کہ دونوں نے سفر کرکے حالات سے بچنے کی کوشش کی۔ رومی بلخ سے اٹھ کر روم (ترکی) پہنچ جاتے ہیں اور قونیہ میں اقامت گزیں ہوتے ہیں۔ شیخ سعدی، شیراز سے سامان سفر باندھ کر کئی اسلامی ممالک اور شہروں کا سفر کرتے ہیں۔ اگرچہ کہیں بھی ان کے سفر کے شروع اور خاتمے کا ذکر نہیں، لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کئی سال اس کام کے لیے صرف کر دیئے۔ سعدی کی حکایات اور اشعار سے اس بات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ خواص سے نشست و برخاست کے ساتھ، وہ عوام سے بھی بہت قریب رہے اور سفر کے دوران سختی اور شدائد سے بھی دوچار رہے۔ اس لیے، گلستان اور بوستان کی حکایتوں میں اکثر اوقات وہ اپنے آپ کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ عوام اور خواص سے اسی قربت اور ہمدلی کی وجہ سے، وہ ایک ہمدرد اور دلسوز دوست اور ساتھی کی طرح انہیں دوستی و محبت کی دعوت دیتے ہیں۔ سعدی شیرازی کے کلام میں دوسروں کے ساتھ دوستانہ سلوک کی اہمیت کے پیش نظر، یہ دو شعر دیکھیے:

دنیا نیرزد آنکه پریشان کنی دلی	زنهار بد مکن که نکردست عاقلی
این پنج روزه مهلت ایام آدمی	آزار مردمان نکند جز مغفلی (۸)

دنیا کی قدر اتنی نہیں کہ کسی انسان کے دل کو مکدر کیا جائے۔ ہاں ہشیار رہ اور برائی مت کر کہ کسی عاقل نے ایسا نہیں کیا ہے۔ آدمی ان پانچ دن کی فرصت میں، دوسرے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچاتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو غافل ہیں۔ سعدی، انسان دوستی کے اقلیم کے بادشاہ ہیں۔ وہ خدمت خلق کو بہت اہم جانتے ہیں اور انسان کی تکریم و تجلیل جیسے اہم موضوع کو اپنے منظوم و منثور شاہکاروں میں پیش نظر رکھتے ہیں۔ اوپر کے مذکورہ دو شعر، اس وقت کے ایک امیر "انکیانلو" کی مدح کے مطلع کے اشعار ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کے سعدی امراء کی عین مدح میں بھی ان کو انسان دوستی کی دعوت دیتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک آزاد انسان تھے۔ انہوں نے اپنے آبائی شہر، شیراز کو سیر و سیاحت کے عشق میں خیر باد کہہ کر، بہت سے ممالک کا سفر کیا تھا۔ کہیں بھی نہ کسی ملک سے وابستہ رہے اور نہ کس شخص سے۔ ڈاکٹر زرین کوب، سعدی کے نزدیک آزادی کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں: "سعدی کے ہاں آزادی کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ آزادی، رہائی اور بے نیازی سے عبارت ہے۔ نہ صرف لوگوں سے بلکہ اپنے آپ سے۔۔۔ جب انسانیت کے منظر سے، اپنی دنیا؛ یعنی مغول اور فرنگ کے صلیبی فتنہ گروں کی دنیا؛ پر نظر ڈالتے ہیں، تو بنی آدم کو ایک جسم کے حصے دیکھ کر، افسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ ناجا حیلے بہانے سے ایک دوسرے سے الجھ جاتے ہیں۔" (۹)

گلستان و بوستان کی حکایتوں اوراشعار میں معاشرے کے لوگوں کے مختلف طبقات سے ایک نہ ایک طبقہ ضرور مخاطب ہوتا ہے۔ اگر چہ جو پیغام اور اخلاقی نکتہ ان میں سے حاصل ہوتا ہے، وہ معاشرے کے تمام افراد کے لیے مفید ہوتا ہے۔ صلح ودوستی کے مطالعے میں سعدی کے ادبی شاہکار بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔چونکہ انہوں نے ایک با اخلاق انسان کی خصوصیات کو بڑے لطیف اور دلنشین پیرایہ میں ایسا بیان کیا ہے کہ وعظ ونصیحت کی تلخی اور درشتی کسی کو کھٹکتا نہیں بلکہ شہد کی شیرینی اس سے ٹپکتی ہے۔"سعدی رموز عاشقی کا بھی استاد ہے اور تقوی و عقل ودانش کا معلم بھی۔ یہ ایسی خوبی ہے کہ جو ایک شخص میں شاذ ونادر ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق نیکی مقصد اخلاق ہے اور حسن کا مقصد عشق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔لہذا جس معلم عشق نے اسے شاعری کی تعلیم دی ہے، اسی نے اخلاق و تقوی کا درس بھی دیا ہے۔"(۱۰)ان کے نزدیک اب صلح، دوستی اور عنایت کا وقت ہے۔ہاں اس شرط سے کہ پرانی باتوں کو نہ چھیڑیں:

بیا که نوبت صلحست و دوستی و عنایت　　　به شرط آنکه نگوییم از آنچه رفته حکایت(۱۱)

اس بات کا مصداق وہ زمانہ جس میں سعدی جی رہے تھے یا فی زمانہ جس میں ہم آپ زندگی گزار رہے ہیں، ہے۔ یہ صرف شیخ کے زمانے پر منحصر نہیں، بلکہ یہ آفاقی ہے۔ ایک اور شعر میں صلح کو جنگ سے بہتر سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں اگر ایک شخص ہاتھی کی طرح طاقت ور ہو یا شیر کی طرح جنگجو، پھر بھی میرے نزدیک صلح، جنگ سے بہتر ہے۔

اگر پیل زوری و گر شیر جنگ　　　به نزدیک من صلح بهتر که جنگ(۱۲)

حق یہ ہے کہ سعدی نے گلستان میں بنی نوع انسان سے اپنی شناخت مکمل کر دیا ہے۔ سعدی کے نزدیک مہربانی اور دوستی، صرف مظلوموں اور درویشوں پر منحصر نہیں۔ حق یہ ہے کہ وہ بڑے پیمانے میں انسان سے محبت کرتے اور انسانیت کی قدر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے بادشاہوں کو نصیحت کرتے ہیں اور سلاطین کو ان کے اعمال کو برے اعمال سے برحذر کرتے ہیں۔(۱۳)

سعدی کے نزدیک اگر انسان کا دوست، صلح ودوستی سے پیش آئے، تمام دنیا بھی دشمن ہوں، تو کوئی غم نہیں۔

در آن قضیه که با ما به صلح باشد دوست　　　اگر جهان همه دشمن شود چه غم دارم(۱۴)

نرم ولطیف پیرایہ سے دشمن کو دوست بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی، اپنے دوست کے ساتھ سختی سے پیش آئے، وہ دشمن بن جاتا ہے۔ اپنے سے برتر یا فروتر لوگوں سے، سب سے حسن خلق سے پیش آؤ!

به نرمی ز دشمن توان کرد دوست　　　چو با دوست سختی کنی دشمن اوست
به اخلاق با هر که خواهی بساز　　　اگر زیر دست است و گر سر فراز(۱۵)

بادشاہ کو مخاطب کرنا اور اس کو خیر کوشی کی صلاح دینا، یقیناً جبار و مغرور بادشاہ کو ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ سعدی کے سینے میں عوام الناس سے دل دردمند اور ہم نوا دھڑکتا ہے۔ یہ نصیحت اس وقت اپنی تلخی چھوڑ دیتی ہے جب سعدی اپنے آپ کو"خادم کہتر"یعنی چھوٹا خدمتکار کہتے ہیں۔ آخری شعر میں پھر ایک آفاقی بات ملتی ہے کہ کیسا خوش نصیب شخص ہے وہ جس کا نام، موت کے بعد بھی خیر ونیکی سے یاد کیا جائے۔ وہ بنی انسان کی جسمانی فنا کو ناگزیر جانتے ہیں، لیکن روحانی بقاء حاصل کرنا، حقیقی بقاء ہے۔ اس مضمون کے اشعار، گلستان اور بوستان میں بہت ہیں:

سعدیا مرد نکو نام نمیرد ہرگز　　مردہ آنست کہ نامش بہ نکوئی نبرند(۱۶)

ان کے نزدیک علم و دانش، دین کی خدمت میں ہونا چاہیے نہ دنیا کی خدمت میں۔ سعدی کے نزدیک جو شخص خدمت خلق کرتا ہے، اسے زندگی جاوید ملتی ہے:

نمرد آنکہ ماند پس از وی بہ جای　　پل و خانی و خان و مہمانسرای
ہرآنکو نماند از پسش یادگار　　درخت وجودش نیاورد بار
و گر رفت و آثار خیرش نماند　　نشاید پس مرگش الحمد خواند(۱۷)

خیر و نیکوئی ہر حال میں سعدی کا شعار رہا ہے۔ڈاکٹر اکرم شاہ کا خیال ہے کہ:"سعدی اپنے قاری کے لیے پہلے ایک مخلص اور رازدان دوست اور ان کے دل و روح سے بہت قریب ہیں۔ اس لیے قاری ان کو قبول کرتا ہے اور ان کی باتیں سننے کے لیے مکمل طور پر تیار رہتا ہے۔"(۱۸) وہ اپنے قاری سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اکثر مقامات میں دوستی کی اہمیت، رفاقت کی تلقین اور ایذارسانی اور ظلم و جور سے پرہیز کی تاکید کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اچھا دوست وہ ہے جو پریشان حالی اور درماندگی میں اپنے دوست کا ہاتھ تھام لے۔(۱۹) بہ ہر حال سعدی کا گلستان، بوستان، غزلیات اور دیگر اصناف شعر میں، بادشاہوں کی سیرت، قناعت کی فضیلت، درویشوں کے اخلاق و عادات، عشق و جوانی، ضعف و بڑھاپے، تربیت کی تاثیر اور ہمنشینی کے آداب، وغیرہ غرض انسان اور اس کی معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں کوئی نہ کوئی نکتہ ملتا ہے۔ڈاکٹر صادق رضا زادہ شفق اس بارے میں لکھتے ہیں:"اصل میں گلستان تعلیم و تربیت کی کتاب ہے اور اس کی اکثر حکایات اور امثال کا مقصد، نفس کا ادب اور اس کی تربیت و تہذیب ہے۔ استاد کا فن یہ ہے کہ استدلال اور بات کا بتنگڑ بناتے بغیر، حقایق کو تمثیل کے ذریعے، شیرین اور جزیل عبارات میں بیان کرتے ہیں۔۔۔"(۲۰) بے شک بوستان میں بھی سعدی کا نصب العین تہذیب و تربیت تھا۔ اس کتاب کے دس ابواب ہیں اور تمام ابواب میں معاشرے کی تمام اصناف مخاطب ہیں۔ باب چہارم کا عنوان"در تواضع"یعنی انکسار و فروتنی ہے۔ اس باب میں وہ کئی حکایتوں کے ضمن میں خضوع و خشوع کی دعوت دیتے ہیں۔ بارش کی ایک بوند، بادل سے گرتے ہی، سمندر کی چوڑائی سے حیران ہو کر، اس منظر سے شرماتی ہے کہ اس سمندر کے باوجود میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اس خضوع کا صلہ یہ ملتا ہے کہ وہ سیپی کے اندر جا گرتی ہے اور نہایت میں ایک انمول موتی بن جاتی ہے:

بلندی از آن یافت کو پست شد　　در نیستی کوفت تا ہست شد(۲۱)

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:" وہ ایسے سخنور ہیں کہ اپنی فصیح زبان اور معجز نما بیان کو صرف مدح یا عاشقانہ احساسات کے اظہار جیسے مطالب کے بیان کے لیے مخصوص نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس کا بیشتر حصہ بنی نوع انسان کی خدمت میں صرف کر دیا اور آدم کی اولاد کی سعادت کے راستے میں لانے، ان کو موعظہ کرنے اور خاص طور پر بھٹکے ہوؤں کی ہدایت کے لیے فائدہ اٹھایا۔" (۲۲)

سعدی کے بارے میں یہ کہنا بھی بڑا مناسب نظر آتا ہے کہ وہ اسلامی تعالیم کے تحت بخشش اور درگذر کو انسانوں میں الفت قلوب کے لیے لازم جانتے ہیں۔ حتی کہ وہ دشمنوں سے طریقہ سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔ ذیل کے چند شعر دیکھیے:

گر اندیشہ باشد زخصمت گزند　　بہ تعویذ احسان زبانش ببند
عدو را بہ جای خسک دُر بریز　　کہ احسان کند، کُند دندان تیز(۲۳)

یعنی اگر دشمن سے عداوت کا اندیشہ ہے، نیکی کے منتر سے اس کی زبان بند کرو۔ خس و خاشاک کے بجائے اس کے سامنے موتی ڈالو، چونکہ نیکی سے تیز دندان کُند ہو کر رہ جاتا ہے۔ سعدی ناتوان لوگوں سے مروت و جوانمردی برتنے اوران کو خوش کرنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ، عاقبت اندیشی کی تعلیم بھی دیتے ہیں کہ آج تم توانگر اور امیر و طاقت ہو، لیکن ایسادن بھی آئے گا کہ تم سے طاقت ور بھی پیدا ہو جائے گا، تو تم بھی کسی دن مشکلات میں پھنس جاؤ گے۔ اس لیے کمزوروں سے خوش خلقی سے سلوک کے ساتھ ساتھ، اپنے دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش کرو:

مزن بر سر ناتوان دست زور | که روزی درافتی به پایش چو مور
درون فروماندگان شاد کن | ز روز فروماندگی یاد کن
نبخشود بر حال پروانه شمع | نگه کن که چون سوخت در پیش جمع
گرفتم ز تو ناتوانتر بسیست | تواناتر از تو ہم آخر کسیست
ببخش اے پسر کادمیزاده | صید باحسان توان کرد ووحشی بقید
عدو را بالطاف گردن ببند | که نتوان بریدن بتیغ این کمند
چو دشمن کرم بیند و لطف و جود | نیاید دگر خبث ازو در وجود(۲۴)

سعدی بوستان میں بھی سرور و خوشی اور طنز و مذاق کا ماحول پیدا کرتے ہیں، تا کہ لوگوں کو حکمت کا سبق دیتے ہوئے، اخلاقی تعالیم اور وعظ و نصیحت کا بوجھ قابل برداشت ہو جائے اور ساتویں صدی ہجری میں شیراز اور ایران کے دیگر شہروں کے لوگوں کی یاس اور قنوطیت، جو مغول کے وحشیانہ یلغار کی پیداوار تھی، کسی حد تک زایل ہو جائے۔(۲۵) بہ ہر حال سعدی کا گلستان ہو یا بوستان، ہر ایک کی سطر سطر میں امید ورجا کی تلقین اورانسانوں سے حسن سلوک اور نیکی کی تعلیم کی تاکید نظر آتی ہے۔ اس منظر سے اگر سعدی کو معلم اخلاق کا نام دیا جائے، شاید دنیا کے بڑے سے بڑے ادبیات میں ان کی مثال اگر نایاب نہ ہو، کمیاب ضرور ہو گی۔

حافظ کے کلام میں صلح و دوستی کا ذکر:

حافظ کے دور کے بارے میں، مشہور محقق ڈاکٹر زرین کوب لکھتے ہیں: "حافظ کا زمانہ، فساد، جھوٹ اور ریاکار دور تھا۔ ایسا دور جس میں عوام کے احوال فساد کی طرف مائل تھے اور اشراف کا اخلاق-ہمارے دور کی طرح-مذہب منسوخ سے مذہب مختار کی طرف جارہا تھا۔ بددلی اور وحشت نے ہر چیز کو گھیرے میں لے لیا تھا اور ظلم و تشدّد نے کہیں بھی امن و سلامتی نہ چھوڑی تھی۔"(۲۶) آٹھویں صدی ہجری میں بقول سعدی شیرازی حالات کچھ بہتر بن گئے تھے اور ملک کا حال آسودہ نظر آتا۔ ناز و نعمت کی فراوانی تھی اور مغل قوم نے جن کو سعدی نے پلنگ خونخوار سے تشبیہ دی تھی، جانورانہ سلوک چھوڑ دیا تھا:

چو باز آمدم کشور آسوده دیدم | ز گرگان به در رفته آن تیز چنگی
بنام ایزد آباد و پر ناز ونعمت | پلنگان رہا کرده خوی پلنگی(۲۷)

ان ناگفتہ بہ حالات میں حافظ نے مکرر صلح و دوستی کی بات کی۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں اس دور کے لوگوں اور بعد کے ادوار میں آنے والی نسلوں کے لیے صلح و آشتی سے رہنے کے سبق دیئے۔ حافظ کے بارے میں، اکثر حافظ دوست طبقہ اور دانشور، افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ان کو عارف کامل کا نام دیا اور کچھ لوگوں نے رندِ عاشق پیشہ اور لااُبالی کا لقب دیا۔ دونوں فریقین غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور بے شک خواجہ دونوں میدانوں

کے ایک متعادل اور آگاہ شاعر ہیں اور عرفانی نکات کی نشاندہی اور عشق کے میدان کے ایک شہسوار ہیں۔" یہ ہیں حافظ، جن کے احساس اور تفکر ہمارے دور کی شاعری کے لیے متناسب ہے۔ہمارے دور کے ایک فلسفی کی طرح عقل وعلم کی قدر کو تنقید کے معیار پر پرکھتے ہیں اور ایک ہم عصر عارف دل آگاہ کی طرح، وجدان اور شہود کو صحت کے ساتھ سمجھتے ہیں۔زاہد ریاکار کو رندانہ طعنہ لگاتے اور فریبی ظالم کو ناراضگی کا دانت دکھاتے ہیں۔۔۔عاشقی میں عجب دل رکھتے ہیں جس میں صورت و معنی دونوں جگہ پاتے ہیں۔"(۲۸)خواجہ حافظ، جن کی حساسیت اور انسانیت بہ درجہ اتم ہے، ان حالات میں اپنی غزلوں میں، اس معاشرے کے انسان کے لیے، انسانیت کے راستے میں گامزن ہونے کے طریقے سکھاتے نظر آتے اور اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:"خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم، اعلیٰ درجہ کے فلسفی انسانیت کی تصویر ہے۔"(۲۹)وہ ایک ایسے معاشرے کے فرد تھے، جس میں وہ اپنے پیشرو شعراء کی طرح، ماحول کے اثرات سے اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ان حالات میں خواجہ "ردعمل دکھاتے ہیں اور اپنے آلام کو، جو دراصل اس معاشرے کے آلام تھے، سنانے پر مجبور ہو گئے اور اس طریقے سے وہ اپنے دور کے لوگوں کی روح میں، بلکہ آنے والے ادوار کی روح میں بھی، داخل ہو گئے۔"(۳۰)اس لیے اپنے معاشرے کے لوگوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

دمرد یزدان شو و ایمن گذر از اهرمنان(۳۱)

دوست کا دامن تھام لو اور دشمن سے الگ تھلگ رہ۔ خدا کا بندہ بنو اور اہریمن و شیطان کے کنارے سے امن سے گزر جا

درخت دوستی بنشان که کام دل به بار آرد نهال دشمنی برکن که رنج بی شمار آرد(۳۲)

خواجہ حافظ، دوستی کے درخت لگانے کی فرمائش کرتے ہیں اور دشمنی وعداوت کا چھوٹا پودا بھی انہیں خوفزدہ کرتا ہے۔ وہ وفاومہرورزی کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ کام بہت اہم ہے، ورنہ ہر کوئی ستم کرنا جانتا ہے:

وفا ی عهد نکو باشد ار بیاموزی و گرنه هر کو تو بینی ستمگری داند(۳۳)
ما قصه سکندر ودارا نخوانده ایم از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس(۳۴)

اس شعر میں وہ سکندر اور دارا کے شاہانہ اور ستمکارانہ طریقے کو پسند نہیں کرتے اور اپنے مخاطب سے کہتے ہیں کہ وہ خواجہ سے، مسالمت آمیز زندگی کے لیے، وفاومہر کی حکایت سنانے کی درخواست کریں۔خواجہ کا دل ہمیشہ اغیار و اضداد کے لیے بند اور دوستوں کے لیے کھلا رہتا ہے:

منظردل نیست جای صحبت اضداد دیو چو بیرون رود فرشته درآید(۳۵)

بے شک اس شعر میں خواجہ نے اس مبارک قرآنی یعنی "جاءَالحق وزہق الباطل" کو مد نظر رکھا ہے۔(الاسراء،۸۱) حافظ کی شاعری کا بہت بڑا حصہ عشق و محبت کی توضیح و اہمیت دکھانے میں صرف ہوئی ہے۔"حافظ نے ہر بات سے کہیں زیادہ عشق کی بات کی ہے۔ عشق تمام ادوار واعصار میں سب سے گہری اور عام انسانی خصلت رہی ہے اور رہے گی۔"(۳۶)عشق و محبت وہ تحفہ الٰہی ہے کہ جس معاشرے میں اس کا رواج عام ہو جائے، باہمی بود وباش اور شہریوں میں ایثار وفداکاری و گذشت کی وجہ سے زیست کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔حافظ بھی اپنی شاعری میں اس کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ان کے خیال میں عشق ایسا راستہ ہے کہ عارف سالک کو خدا تک رہنمائی کر سکتا ہے۔وہ اس راہ کے ایک

آگاہ اور کہنہ مشق سالک کے طور پر تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عشق کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ حافظ کے خیال میں عشق کا راستہ بڑا عجیب غریب راستہ ہوتا ہے۔ ہاں وہ شخص سربلند ہے جس کا سر نہ ہو:

عجب راہی است راہ عشق کآنجا کسی سر بر کند کش سر نباشد(۳۷)

صرف یہی نہیں، خواجہ لوگوں کے درمیان اختلافات کو ان کی ایک دوسرے سے عدم شناخت کا نتیجہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی چشم بصیرت حقیقت کے مشاہدے سے قاصر ہے اس لیے، داستان طرازی کا طریقہ اپناتے ہیں:

جنگ ہفتاد دو ملت ہمہ را عذر بنه چون ندیدند حقیقت، رہ افسانہ زدند(۳۸)

حافظ کے نزدیک صداقت، نَفس کو سورج کی طرح نورانی کرتی ہے اور جھوٹ سے انسان کا چہرہ، صبح کاذب کی طرح کالا پڑ جاتا ہے:

به صدق کوش که خورشید زاید از نفست که از دروغ سیه روی گشت صبح نخست(۳۹)

ان کے نزدیک نیک نامی کے طلبگار شخص کو بُری صحبت سے احتراز کرنا چاہیے. مزید یہ کہ خود غرضی، نادانی کی دلیل ہے:

نیک نامی خواہی اے دل با بدان صحبت مدار بدپسندی جانِ من، برہانِ نادانی بُود(۴۰)

ڈاکٹر صابر آفاقی خواجہ حافظ کے اخلاق کے بارے میں خیالات کی وضاحت یوں کرتے ہیں: "حافظ نے اخلاق کے بارے میں شاعری کرکے، حیات کے مسائل کی وضاحت کی ہے۔۔۔ حافظ اخلاق کے بڑے معلّموں اور پسندیدہ افکار کے مروّجوں میں سے ہیں۔ اس ایرانی مشہور شاعر نے ہمت، سعی و کوشش، امید و رجا، قناعت و استغنا، عہد و پیمان، نماز و دعا، وقت اور حیات کی اہمیت، تسلیم و رضا، صبر و بردباری، غرور و استکبار [کذا]، دنیا کی فنا، غم و اندوہ، مدارا اور برداشت، خُلق نیکو، آزادی اور آزادہ روی، حسد اور ریا کی بُرائی، عیب جوئی، تفرقہ، لوگوں کو ایذا پہنچانا، عفو درگذشت اور بُرائی اور ناجنس سے احتراز وغیرہ جیسے اخلاقی اصول کو اپنی شیریں شاعری میں بیان کر دیا ہے۔"(۴۱) خواجہ کے خیال میں اہل نظر کو لطف و خُلق نیکو سے شکار کر سکتے ہیں جب کہ مرغِ دانا، دانہ و جال سے شکار نہیں کیا جا سکتا۔

به لطف و خلق توان کرد صید اہل نظر به دام ودانه نگیرند مرغِ دانارا(۴۲)

دوستی اور رفاقت ان کے لیے بہت عزیز و مغتنم ہے۔ وہ دشمن سے بھی ایسے سلوک کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ جس سے انسانی آسایش کو کوئی گزند نہ پہنچے:

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ب با دوستان مروّت، با دشمنان مُدارا(۴۳)

وہ دوستوں سے وفاداری برتنے کے اس قدر حامی ہیں کہ ان کے خیال میں جو کوئی اپنے دل کے کھیت میں وفا کو پودا نہ لگائے گا، کٹائی کے وقت، اسے پشیمانی اور زرد روئی کے سوا کچھ نہیں ملے گا:

ہر که در مزرع دل، تخم وفا سبز نکرد زرد روئی کشد از حاصل خود گاہ درو(۴۴)

اسی مضمون کے دو اور شعر دیکھیے۔ معلوم نہیں دوستی کے درخت کب ثمر دار ہو جائے۔ ہم نے تو دوستی کا بیج بو دیا۔ اس پرانے کھیت میں مہر و وفا کا بیج، کٹائی کے موسم میں عیاں ہوتے ہیں۔

تا درخت دوستی کی بردہد حالیا رفتیم وتخمی کاشتیم(۴۵)

تخم وفا و مہر در ین کہنه کشتزار آنگه شود عیان که بود موسم درو(۴۶)

وہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اسلام تعلیمات کی رو سے، سب سے بڑا گناہ جانتے ہیں:

مباش در پئے آزار و ہر چه خواہی کن که   در شریعت ما غیر از این گناہی نیست(۴۷)

حافظ کے خیال میں دنیا کے وجود سے پہلے ہی، محبت و الفت موجود تھی اور یہ نقش نیا نہیں، بلکہ بہت پرانا اور قدیم ہے:

نبود رنگ دو عالم که نقش الفت بود   زمانه طرح محبت نه این زمان انداخت(۴۸)

لیکن ہر زمانے میں ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کے لیے اپنے مفادات کے بغیر کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ہمیشہ ہر چیز کو اپنے لیے چاہتے ہیں۔ ظاہر ساز و ریاکار ہوتے ہیں اور ان کے ظاہر و باطن میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حافظ کو ایسے لوگوں سے نفرت ہے۔ ان کی شاعری کے بڑے حصے کا مضمون، ان لوگوں کی خیانت اور دوروئی کو طشت از بام کرنے میں ہے۔ ان کے خیال میں ایسے لوگ بقائے باہمی اور صلح و صفا سے زندگی گزارنے کے دشمن ہیں۔" حافظ ایک حساس اور بیدار فنکار کے طور پر، کبھی بھی اپنے دور کے متنوع حوادث سے غافل نہ رہے۔ یہ رنگ برنگ حوادث مختلف طریقوں سے حافظ کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ خواجہ کے دیوان میں واعظ، زاہد، شیخ، شحنہ، محتسب، صوفی وغیرہ کے خلاف پکار، ان کی ہوشمندی کی علامتیں ہیں۔"(۴۹) اس مضمون کے کچھ اشعار ملاحظہ ہو:

دانی که چنگ وعود چه تقریر می کنند؟   پنہان خورید باده که تکفیر می کنند

گویند رمز عشق مگوئید و مشنوید   مشکل حاکیتی است که تقریر می کنند

مے خور که شیخ و حافظ و مفتی و محتسب   چون نیک بنگری ہمه تزویر می کنند(۵۰)

یک حرف صوفیانه بگویم اجازت است؟   ای نوردیده صلح به از جنگ و داوری است (۵۱)

خواجہ حافظ کے نزدیک شریعت کی اہمیت اور قرآنی احکام کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کا تخلص اور غزلیات اس پر گواہ ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے شعر کو دیکھیے:

عشقت رسد به فریاد ورخود بسان حافظ   قرآن زبر بخوانی در چارده روایت(۵۲)

وہ کہتے ہیں کہ حافظ شیرازی نہ صرف قرآن کا حافظ ہے، بلکہ قرائت قرآن میں بھی وہ استاد کامل ہیں۔ معاشرے میں کچھ ظاہر الصلاح اور سیاہ باطن لوگ، دیگر افراد کو بہ ظاہر مناہی سے نہی کرتے ہیں، جبکہ خود ان مناہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حافظ بھی ان کے مقابلے میں مے خواری جیسے افعال کو ان کی ظاہر داری اور ریا پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح ان سالوس اور منافق لوگوں کا راز فاش ہوتا ہے۔

واعظان کین جلوه بر محراب ومنبر می کنند   چون به خلوت می روند آن کار دیگر میکنند(۵۳)

ان منافق لوگوں کے مقابلہ میں حافظ کا ایک خاص طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسے کردار بنانے کی کوشش کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان منافق لوگوں کا پردہ چاک ہو جائے اور معاشرے میں ان کی جھوٹی عزت معدوم ہو جائے۔ انہوں نے قلندر اور رند جیسے مطعون اور مطرود کردار، اور مغبچہ، مغ، ترسا وغیرہ جیسے بعض غیر اسلامی کرداروں کو، جن کی حافظ کے زمانے تک اکثر اوقات کوئی معاشرتی عزت و احترام نہ تھا، ان ریاکاروں کے سامنے عزت مند اور باوقار شمار کیا۔ واعظ کے گفتار اور عمل میں بُعد المشرقین ہے۔ شہر کے مشائخ میں بھی اللہ والوں کی نشانی، یعنی عشق نظر نہیں آتا؛ صوفی مشکوک روزی کھاتا ہے اور مکاری کا پیشہ کرتا ہے۔ خواجہ کے ہاں ایک اور عجیب رویہ شاید یہ کہا جا سکے کہ وہ شیخ و زاہد و صوفی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے شریعت اور طریقت کے رسم و رواج کا بھی مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اس کے باوجود

ڈاکٹر معین کی رائے میں: "لیکن ان تمام تنقیدی باتوں کے باوجود، ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ حافظ خود، عارف بالحق اور صوفی مطلق نہ تھے۔ بلکہ وہ اپنی شاعری سے حق و باطل اور عارف و گمراہ اور خالص و ناخالص کے درمیان تمیز کے لیے ایک معیار پیش کرنا چاہتے تھے۔"(۵۴) البتہ بعض مقامات میں، خواجہ صاحب، عارف سالک اور صوفی صومعہ عالم قدس کے احترام کے ساتھ نام لیتے اور ان کی تعریف و تمجید بھی کرتے ہیں:

صوفی صومعه عالم قدسم، لیکن حالیا دیر مغان است حوالتگاہم(۵۵)

یک حرف صوفیانه بگویم اجازت است ای نور دیده صلح به از جنگ و داوری(۵٦)

حافظ کی شاعری میں صلح و انسان دوستی اور مہر و محبت و عشق کے عناصر کے بارے میں، ڈاکٹر صبور کی درج ذیل رائے بہت جامع نظر آتی ہے: "یہ شایستہ، متفکر، حیران و آشفتہ غزلگو تمام رنج و محن اور ناامنی کے باوجود، اپنی روح کی وسعت کے ساتھ، تلخی سے نامردی و۔۔۔ کو برداشت کرتے ہیں اور تسلیم و رضا کے ساتھ، ایک رندانہ تبسم سمیت دنیا پر نظر ڈالتے ہیں۔ اپنے آسمانی عروج کے باوجود، پھر بھی اپنے آپ کو اپنے ہم نوعوں سے دور نہیں کرتے اور ان کے آلام کو پہچان کر، ان کے لیے مرہم فراہم کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم و رضا و آرامش و صبر اور خوش دلی و مدارا اور جو کچھ آدمیت کی شرط ہے، اپنی طرف بلاتی ہے۔ اس لیے ان کا کلام ہمہ گیر بن جاتا ہے۔" (۵۷)

حوالہ جات:

۱. مجلہ علوم اجتماعی و انسانی دانشگاہ شیراز، ۱۴
۲. مثنوی معنوی، چاپ کاروان، دفتر سوم، ۱۵۸
۳. مثنوی معنوی، چاپ امیر کبیر، دفتر دوم، ۳۷۶
۴. مثنوی معنوی، چاپ امیر کبیر، دفتر دوم، ۲۷۲
۵. کلیات شمس تبریزی، ۷۔۲۵٦
٦. مثنوی معنوی، چاپ کاروان، دفتر چہارم، ۱۲۰
۷. باکاروان حلہ، ۱۹۹
۸. کلیات سعدی، ۸۱۰-۸۰۹
۹. باکاروان حلہ، ۲۱۸
۱۰. از گلستان عجم، ۲۹۲-۲۹۱
۱۱. کلیات سعدی، ۴۷۲
۱۲. کلیات سعدی، ۲۳۷
۱۳. نوع دوستی سعدی در گلستان، ۸-۷
۱۴. کلیات سعدی، ۵۷۷
۱۵. کلیات سعدی، ۲۹۷
۱٦. کلیات سعدی، ۸۴۹
۱۷. کلیات سعدی، ۲۰۲
۱۸. اقبال و جہان فارسی، ۲۹۳

۱۹. کلیات سعدی، ۴۷
۲۰. سعدی شناسی، ۱۹۳
۲۱. کلیات سعدی، ۲۸۸
۲۲. سعدی شناسی، ۱۷۰
۲۳. کلیات سعدی، ۲۳۷
۲۴. کلیات سعدی، ۲۵۳
۲۵. فصلنامہ علمی امداد و نجات، ۶
۲۶. باکاروان حلہ، ۲۳۷
۲۷. کلیات سعدی، ۸۰۹
۲۸. ایضاً، ۲۴۷
۲۹. شعر العجم، ۱۵۷
۳۰. آفاق غزل فارسی، ۱۲
۳۱. دیوان حافظ، نذیر احمد، ۵۳۸
۳۲. دیوان حافظ، نیساری، ۹۹
۳۳. ایضاً، ۱۵۶(ایضاً، ۲۰۲)
۳۴. ایضاً، ۲۴۲
۳۵. ایضاً، ۲۰۵
۳۶. فصلنامہ علمی امداد و نجات، ۱۳
۳۷. دیوان حافظ، نیساری، ۱۴۳
۳۸. دیوان حافظ، ۱۶۱
۳۹. ایضاً، ۴۳
۴۰. ایضاً، ۳۹۱
۴۱. مجلہ دانش، ۵ـ۲۴۴
۴۲. دیوان حافظ، نیساری، ۶
۴۳. ایضاً، ۳
۴۴. دیوان حافظ مترجم، ۳۲۷
۴۵. دیوان حافظ، نذیر احمد، ۵۰۰
۴۶. ایضاً، ۳۶۴
۴۷. ایضاً، ۶۸
۴۸. ایضاً، ۱۵
۴۹. چشمہ خورشید، اندیشہ و سخن حافظ شیرازی، ۸۹
۵۰. دیوان حافظ، نیساری، ۱۷۷
۵۱. ایضاً، غزل ۴۵۱

۵۲. دیوان حافظ مترجم، ۸۵

۵۳. ایضاً، ۱۷۶

۵۴. حافظ شیرین سخن، ۴۷۹

۵۵. دیوان حافظ، نیساری، ۳۲۱

۵۶. ایضاً، ۴۷۱

۵۷. آفاق غزل فارسی، ۲۹۱

کتابیات:

۱- آساتوریان فارمیک، آل عصفور، محمد، کرامت انسانی و محورہای اصلی آن در مثنوی معنوی، مجلہ علوم اجتماعی و انسانی دانشگاہ شیراز، دورہ ۲۶، شمارہ ۲، تابستان ۱۳۸۶ (پیاپی ۵۱)، ویژہ نامہ زبان و ادبیات فارسی

۲- البلخی ثم رومی، رومی، جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، رینولد نیکلسون، چاپخانہ حاج محمد علی علمی، امیر کبیر، ۱۳۳۶

۳- اقبال، محمد، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت پنجم، مئی ۱۹۸۵

۴- اکرم، سید محمد اکرم، اقبال و جہان فارسی، شعبہ اقبالیات، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۹۹

۵- حافظ، شمس الدین محمد، دیوان حافظ، باہتمام سید محمد رضا جلالی نائینی و نذیر احمد، امیر کبیر چاپ سوم، تہران، ۱۳۵۵ش

۶- حافظ، شمس الدین محمد، دیوان حافظ بر اساس ۴۸ نسخہ خطی سدہ نہم، تدوین: نیساری، سلیم، سینا نگار، تہران، ۱۳۷۷ش

۷- حافظ، شمس الدین محمد، دیوان حافظ، ترجمہ و تحشیہ، ابو نعیم عبد الحکیم خاں نشتر جالندھری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سنہ ندارد

۸- حسن لی، کاووس، چشمہ خورشید، اندیشہ و سخن حافظ شیرازی، نوید، شیراز، ۱۳۸۵ش

۹- رومی، جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، بر اساس نسخہ رینولد نیکلسون، شش دفتر، دفتر اول تا ششم، کاروان، ۱۳۸۶ش

۱۰- رومی، جلال الدین محمد بلخی، کلیات شمس تبریزی، تصحیح استاد بدیع الزمان فروزانفر، امیر کبیر، ج ۳، تہران، ۱۳۶۳ش

۱۱- زرین کوب، عبد الحسین، باکاروان حلّہ (مجموعہ نقد ادبی) جاویدان، چاپ چہارم، تہران، ۱۳۵۶ش

۱۲- سعدی شیرازی، شیخ مصلح الدین، کلیات سعدی، مطابق بانسخہ تصحیح شدہ محمد فروغی، پیمان، چاپ ۴، تہران، ۱۳۸۱ش

۱۳- سلیمانی، فرانک، جلوہ ہای صلح و بشر دوستی در اشعار مولانا، حافظ و سعدی، فصلنامہ علمی امداد و نجات، سال اول، شمارہ ۳، پاییز ۱۳۸۸ ش

۱۴- شبلی نعمانی، شعر العجم، حصہ دوم، سٹار بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، سنہ ندارد

۱۵- صبور، داریوش، آفاق غزل فارسی (پژوہشی انتقادی در تحول غزل و تغزل از اغاز تا امروز)، نشر گفتار، تہران، ۱۳۷۰ش

۱۶- کمال سروستانی، کوروش، سعدی شناسی، دفتر اول، باہمکاری بنیاد فارس شناسی، دانشنامہ فارس، ۱۳۷۷ش

۱۷- مجلہ دانش، شمارہ ۱۵، فصلنامہ رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران - اسلام آباد، پاکستان، پاییز ۱۳۶۷ش

۱۸- مہر نور محمد خاں، کلثوم فاطمہ سید، از گلستان عجم (اردو ترجمہ و تنقید باکاروان حلہ تالیف: عبد الحسین زرین کوب)، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۵